نفخ سے پہلے اور بعد میں اسقاط حمل کی شرعی حیثیت

ڈاکٹر حافظ حسن مدنی*

Unfortunately abortion has become an epidemic in the modern world. The following article discusses number of issues pertaining to abortion, such as the stages of development of fetus in the duration of 9 months in a mother's womb; time when the soul is infused into the body constituting the unified 'I' (Nafs); respective details as part of the Islamic sources (Qur'ān & Sunnah) and the opinions of the leading Islamic Scholarship; opinions of Islamic Jurists on the abortion before and after infusion of soul in the body and their respective evidences; and the preferable opinion according to the evidences provided.

اسقاط حمل دنیا بھر میں ایک سنگین مسئلہ بنتا جارہا ہے۔ پیدائش سے قبل 9 ماہ میں جنین Fetus کے رحم مادر میں کیا مراحل ہیں، اس میں کب روح پھونکی جاتی اور وہ کب مکمل نفس کی حیثیت اختیار کرتا ہے؟ اس سلسلے میں آنے والی آیات واحادیث میں پیش کردہ تفصیلات اور ائمہ کرام کا موقف کیا ہے؟ نیز روح پھونکنے سے قبل اور بعد ہر دو صورت میں جنین کے اسقاط پر فقہائے کرام کے موقف اور ان کے دلائل کیا ہیں، ان میں کونسا موقف دلائل کے لحاظ سے راجح ہے۔ اس مضمون میں ان سوالات پر رہنمائی پیش کی گئی ہے۔

اباحیت زدہ معاشروں میں، جہاں مرد وزن کے آزادانہ تعلقات بغیر کسی خلش کے پروان چڑھتے ہیں، اسقاطِ حمل کا مسئلہ بڑی اہمیت اختیار کرتا جارہا ہے۔ غیر شادی شدہ مرد وزن، اپنے باغیانہ فعل کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بچے کی ذمہ داری قبول کرنے سے کتراتے ہیں، نتیجتاً بہت سے بچوں کو قبل از ولادت موت کے گھاٹ اُتار دیا جاتا ہے۔ جن معاشروں میں لڑکیوں کی پیدائش کو باعثِ عار سمجھا جاتا ہے، وہاں بھی قبل از ولادت بچے کی جنس معلوم ہو جانے پر اُنہیں ہلاک کر دیا جاتا ہے، جیسا کہ ہمسایہ ملک بھارت کے بارے میں یہ رپورٹ کیا گیا ہے کہ گذشتہ 30 برسوں میں بھارت میں 12 ملین لڑکیوں کو وضع حمل سے قبل ہی ہلاک کیا جاچکا ہے، اور اس کے نتیجے میں 2001ء میں بھارت میں چھ سال سے کم عمر بچوں میں بچیوں کی تعداد، لڑکوں کے مقابلے میں چھ ملین کم ہو گئی ہے۔[1] تازہ صورتحال مزید خراب ہو چکی ہے کہ بھارت میں اوسطاً ڈیڑھ کروڑ بچیوں کو دورانِ حمل ضائع کر دیا جاتا ہے اور ان میں 80 فیصد واقعات گھروں پر ہی ہوتے ہیں۔[2]

* اسسٹنٹ پروفیسر، ادارہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور۔

بعض اوقات جنین کے بارے میں طبی وجوہات کی بناپر یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ اس کو ساقط کروادیا جائے۔ بالخصوص ان حالات میں جب میڈیکل رپورٹ سے یہ معلوم ہو جائے کہ پیدا ہونے والا بچہ کسی دائمی یا مہلک مرض میں مبتلا رہے گا۔ اسقاطِ حمل کی بڑھتی شرح کے پیش نظر مختلف ممالک میں اس کو قابل سزا جرم بھی قرار دیا گیا ہے اور ایسا کرنے والے کو قانونی گرفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اسلام میں جنین کے کیا حقوق ہیں، اور کب اسقاطِ حمل کروانے کی گنجائش ہے اور کس صورت میں ایسا کرنا ناجائز ہے؟ شریعتِ اسلامیہ اس باب میں ہمیں کیا رہنمائی دیتی ہے؟اس موضوع پر اکثر وبیشتر سوال کیا جاتا ہے، زیر نظر مقالہ میں انہی مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

اسقاط حمل کے لغوی اور شرعی معانی

اسقاطِ حمل کے لئے انگریزی زبان میں 'ابارشن' Abortion کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے، جبکہ عربی زبان میں اسے 'اجہاض' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ انگریزی اصطلاح 'ابارشن' کے معنیٰ یہ ہیں کہ

Abortion is the termination of a pregnancy by the removal or expulsion of a fetus or embryo from the uterus, resulting in or caused by its death.[3]

"انسانی فیٹس یا ایمبریو کو رحم مادر سے نکال کر حمل کو اس طرح منقطع کرنا جس سے اُس کی موت واقع ہو جائے۔"

یاد رہے کہ سائنسی زبان میں 'انسانی فیٹس' رحم مادر میں گیارھویں ہفتہ سے وضع حمل تک پرورش پانے والے جنین کو کہا جاتا ہے جبکہ اس سے قبل کے جنین کو ایمبریو کہا جاتا ہے۔

عربی زبان یا شریعتِ اسلامیہ میں اس کے لئے 'اجہاض' یا' اسقاط' کے لفظ استعمال کئے جاتے ہیں، جن کا مفہوم یہ ہے:

عربی زبان کی مشہور لغت تاج العروس میں امام ابوزکریا الفرّاء(م207ھ) کا کہنا ہے:

خدج وخديج وجِهض وجهيض وهو الولد السقط أو ما تم خلقه ونفخ فيه روحه من غير أن يعيش

"خدیج اور جھیض کا لفظ ایسے بچے پر بولا جاتا ہے جو ضائع ہو جائے یا اس کی تخلیق ابھی پوری نہ ہوئی ہو اور اس میں روح پھونکی جاچکی ہو، لیکن وہ زندہ نہ رہ سکے۔"

نامور لغت نگار اصمعی (م215ھ) کا قول ہے:

إذا ألقت الناقة ولدها وقد وبره قبل التمام قيل أجهضت

"جب اونٹنی اپنے بچے کو تکمیل سے قبل گرادے تو اسے اجہاض کہا جاتا ہے۔"

کئی کتب کے مصنف ابن فارس (م395ھ) کا کہنا ہے:

هو زوال الشيء عن مكانه بسرعة يقال أجهضنا فلانا عن الشيء إذ نجيناه عنه وغلبناه عليه وأجهضت الناقة إذ ألقت ولدها فهي مجهض[4]

"جب کسی شے کو اس کے محل سے قبل از وقت گرادیا جائے تو اس پر اجہاض بولا جاتا۔ کسی شخص کے بارے میں اجہاض تب بولا جائے گا جب اس کو کسی شے سے نجات دلائی جائے اور اس شے پر غلبہ حاصل کر لیا جائے۔ اونٹنی کے بارے میں اجہاض کا لفظ تب بولا جاتا ہے جب وہ اپنے بچے کو گرادے تو وہ مجہض کہلاتی ہے۔"

اسقاط کے مفہوم کے بارے میں 'لسان العربِ' میں ہے:

مِن سقط بمعنٰی وقع، سقط الولد من بطن أمه ولا يقال وقع حين تلد وأسقطت المرأة ولدها إسقاطًا وهي مسقط: ألقته لغير تمام من السقوط .... وأسقطت الناقة وغيرها: إذا ألقت ولدها

ويقال للولد: مجهَض إذا لم يستبن خلقه وقيل الجهيض السقط تم خلقه ونفخ فيه الروح من غير أن يعيش[5]

"اسقاط، سقط سے ہے بمعنٰی گرنا۔ بچہ ماں کے پیٹ سے گر گیا، جب بچہ پیدا ہو تو اس پر سقط کا لفظ نہیں بولا جاتا۔ ماں نے بچے کو گرادیا اور مسقِط ہو گئی کا مطلب یہ ہے کہ اس نے بچے کو مکمل ہونے سے قبل گرا دیا۔ اونٹنی وغیرہ پر اسقاط کا لفظ تب بولا جاتا ہے جب وہ اپنے بچے کو گرا دے۔...مجہَض اس بچے کو کہا جاتا ہے جس کی خلقت پوری واضح نہ ہو، اور جہیض اس بچے کو جس کی خلقت تو پوری ہو، اس میں روح بھی پھونک دی گئی ہے لیکن وہ زندہ نہ رہ سکے۔"

اسمٰعیل بن قاسم القالی کے 'امالی' میں آتا ہے کہ 'اسقاط' کا لفظ اولادِ آدم کے ساتھ خاص ہے، جبکہ 'اجہاض' کا لفظ جانوروں جیسے اونٹنی وغیرہ پر بولا جاتا ہے۔[6]

اسقاط اور اجہاض کے معنیٰ ایک ہی ہیں، تاہم دونوں میں یہ فرق ہے کہ اسقاط کے لفظ کا زیادہ استعمال انسانوں میں ہوتا ہے جبکہ اجہاض کو اونٹنی کے اسقاط پر بولا جاتا ہے۔ ایک اور لحاظ سے اسقاط کا لفظ جنین کی خلقت واضح ہونے سے پہلے کے لئے غالباً استعمال کیا جاتا ہے جبکہ اجہاض کا لفظ روح پھونک دیے جانے کے بعد والے جنین پر غالب بولا جاتا ہے، جبکہ دونوں الفاظ کا استعمال اس سے وسیع تر معانی کے لئے بھی ہے۔

اسقاط کی شرعی تعریف

اجہاض واسقاط کی شرعی واصطلاحی تعریف یوں کی گئی ہے:

إلقاء المرأة جنينها قبل أن يستكمل مدة الحمل ميّتا أو حيًّا دون أن يعيش وقد استبان بعض خلقه بفعل منها كاِستعمال دواء أو غيره أو بفعل من غيرها[7]

''عورت کا مدتِ حمل پورا ہونے سے قبل اپنے جنین کو زندہ یا مردہ حالت میں یوں گرا دینا کہ وہ زندہ نہ رہ سکے اور اس کی خلقت واضح ہو چکی ہو۔ یہ اسقاط چاہے دوا وغیرہ کے استعمال کی بنا پر ہوا ہو یا کسی دوسرے کے کسی فعل کی بنا پر۔''

هُو إخراج الحمل من الرحم في غير موعده الطبيعي عمدًا وبلا ضرورة بأي وسيلة من الوسائل[8]

''کسی بھی طریقے کو اختیار کرتے ہوئے رحم مادر سے حمل کو طبعی وقت مقررہ سے قبل عمداً نکال دینا، بغیر کسی معتبر ضرورت کے۔''

اسقاطِ حمل کی سزا اور کفارہ

شریعتِ اسلامیہ میں اس باب میں ہمیں درج ذیل احادیث سے رہنمائی ملتی ہے:

صحیح بخاری میں سیدنا ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ

أَنَّ رَسُولَ اللهِّ ﷺ قَضَى فِي امْرَأَتَيْنِ مِنْ هُذَيْلٍ اقْتَتَلَتَا، فَرَمَتْ إِحْدَاهُمَا الأُخْرَى بِحَجَرٍ، فَأَصَابَ بَطْنَهَا وَهِيَ حَامِلٌ، فَقَتَلَتْ وَلَدَهَا الَّذِي فِي بَطْنِهَا، فَاخْتَصَمُوا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَضَى :أَنَّ دِيَةَ مَا فِي بَطْنِهَا غُرَّةٌ عَبْدٌ أَوْ أَمَةٌ، فَقَالَ وَلِيُّ المَرْأَةِ الَّتِي

غَرِمَتْ: كَيْفَ أَغْرَمُ، يَا رَسُولَ اللهِ، مَنْ لاَ شَرِبَ وَلاَ أَكَلَ، وَلاَ نَطَقَ وَلاَ اسْتَهَلَّ، فَمِثْلُ ذَلِكَ يُطَلُّ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّمَا هَذَا مِنْ إِخْوَانِ الكُهَّانِ»[9]

”نبی کریم ﷺ نے ہذیل قبیلہ کی اُن دو عورتوں کے بارے میں فیصلہ صادر فرمایا جنہوں نے جھگڑا کیا تھا یہاں تک کہ ان میں سے ایک عورت (ام عطیف بنت مروح) نے دوسری کو پتھر پھینک کر مارا (جس کا نام ملیکہ بنت عویمر تھا) وہ پتھر عورت کے پیٹ میں جا کر لگا۔ یہ عورت حاملہ تھی، اس لیے اس کے پیٹ کا بچہ (پتھر کی چوٹ سے) مر گیا۔ یہ معاملہ دونوں فریق نبی کریم ﷺ کے پاس لے گئے تو آپ نے فیصلہ کیا کہ عورت کے پیٹ کے بچہ کی دیت ایک غلام یا باندی آزاد کرنا ہے جس عورت پر تاوان واجب ہوا تھا اس کے ولی (حمل بن مالک بن نابغہ) نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ ! میں ایسی چیز کی دیت کیسے دے دوں جس نے کھایا، نہ پیا، نہ بولا اور نہ ولادت کے وقت اس کی آواز ہی سنائی دی؟ ایسی صورت میں تو کچھ بھی دیت نہیں ہو سکتی۔ آپ نے اس پر فرمایا کہ یہ شخص تو کاہنوں کا بھائی معلوم ہوتا ہے۔“

غرّۃ دیت کے نصف عشر کو کہتے ہیں جس کی مقدار پانچ اونٹ ہے۔ بعض احادیث میں 50 سے 100 بکریوں تک آیا ہے جبکہ سنن ابو داود کی ایک روایت میں اس کی مالیت 500 درہم چاندی یا 50 دینار سونا ذکر کی گئی ہے۔[10]

اسی نوعیت کی ایک حدیث بنو لحیان کے بچے کے بارے میں ابو ہریرہ سے مروی ہے:

«قَضَى رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي جَنِينِ امْرَأَةٍ مِنْ بَنِي لَحْيَانَ سَقَطَ مَيِّتًا، بِغُرَّةٍ عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ، ثُمَّ إِنَّ الْمَرْأَةَ الَّتِي قُضِيَ عَلَيْهَا بِالْغُرَّةِ تُوُفِّيَتْ، فَقَضَى رَسُولُ اللهِ ﷺ بِأَنَّ مِيرَاثَهَا لِبَنِيهَا وَزَوْجِهَا، وَأَنَّ الْعَقْلَ عَلَى عَصَبَتِهَا»[11]

”رسول اللہ ﷺ نے بنو لحیان (جو قبیلہ ہذیل کی شاخ ہے) کی ایک عورت کے پیٹ کے بچے کے بارے میں، جو مردہ ضائع ہوا تھا، ایک غلام یا لونڈی دیے جانے کا فیصلہ کیا۔ پھر وہ عورت (بھی) فوت ہو گئی جس کے خلاف آپ نے غلام (بطور دیت دینے) کا فیصلہ کیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ اس کی وراثت (جو بھی ہے) اس کے بیٹوں اور شوہر کے لیے ہے اور (اس کی طرف سے) دیت (کی ادائیگی) اس کے باپ کی طرف سے مرد رشتہ داروں پر ہے۔“

ان دو احادیث سے، جو صحاحِ ستہ میں تیس سے زائد اسناد سے مروی ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں ولادت سے قبل جنین کے حقوق موجود ہیں، اور اس کو نقصان پہنچانے پر غرہ ادا کرنا ضروری ہے۔ جنین کو نقصان پہنچانے پر یہ سزا تو دنیا میں لاگو ہوگی اور اسے مقتول جنین کے ورثا کو ادا کرنا ہوگا، جبکہ اللہ کے ہاں اس جرم سے معافی کے لئے بعض فقہانے کفارہ کو بھی لازمی قرار دیا ہے۔ اس موضوع پر مصنف عبد الرزاق میں ایک مستقل باب ما علیٰ من قتل من لم يستهل قائم کیا گیا ہے جس میں کئی ایک آثار صحابہ پیش کئے گئے ہیں:

ابن جريج قال قلت لعطاء ما على من قتل من لم يستهل فقال ارى أن يعتق أو يصوم[12]

"ابن جریج نے عطا سے استفسار کیا کہ جس شخص نے کسی ایسے بچے کو قتل کر دیا ہو جس نے چیخ نہیں ماری (ولادت کے بعد چیخ مارنا) تو انہوں نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ اسے غلام آزاد کرنا اور روزے رکھنا چاہئیں۔"

عن الزهري في رجل ضرب امرأته فأسقطت قال يغرم غرة وعليه عتق رقبة[13]

"امام زہری نے ایسے شخص کے بارے میں فرمایا جس نے کسی عورت کو مارا اور اس سے اس عورت کا حمل ضائع ہو گیا کہ اس پر غرۃ دیت واجب ہوتی ہے اور اسے ایک گردن بھی آزاد کرنا چاہئے۔"

سمعت مجاهدًا يقول مسحت امرأة بطن امرأة حامل فأسقطت جنينا فرفع ذلك إلى عمر فأمرها أن تكفر بعتق رقبة يعني التي مسحت[14]

"مجاہد فرماتے ہیں کہ ایک عورت نے دوسری عورت کے پیٹ کو دبا دیا جس سے اس کا جنین ساقط ہو گیا۔ یہ بات سیدنا عمر تک پہنچی تو آپ نے دبانے والی عورت کو ایک گردن آزاد کرنے کا حکم دیا۔"

تاہم امام محمد علی بن احمد ابن حزم اندلسی (م456ھ) نے یہ قرار دیا ہے کہ

"جنین میں روح پھونکے جانے سے قبل صرف غرۃ ہی ہے، اور روح پھونکے جانے کے بعد غرۃ کے ساتھ کفارہ بھی ہو گا جو غلام آزاد کرنا اور دوماہ کے مسلسل روزے رکھنا ہے۔"

جبکہ اگر کوئی بچہ کسی شخص کی زیادتی کے نتیجے میں زندہ حالت میں ساقط ہو جائے، اور بعد میں اس

سقوط کے نتیجے میں فوت ہو جائے تو اس ظالم شخص پر پوری دیت عائد ہونے کا قول بھی اختیار کیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ اگر کسی کے ایسے رویے سے کسی عورت کا حمل ساقط ہو جائے کہ وہ عورت گھبرا کر حمل گرا بیٹھے تب بھی ایسے شخص کو غرۃ ادا کرنا ہو گا۔ جیسا کہ مصنف عبد الرزاق میں سیدنا عمرؓ کے بارے میں یہ واقعہ آتا ہے کہ ان کے بلانے پر ایک عورت راستے میں اس قدر خوف کا شکار ہوئی کہ اس کا حمل ساقط ہو گیا۔ عمرؓ نے صحابہ سے مشورہ کیا تو سیدنا علیؓ نے اُنہیں کہا:

أرى أن ديته عليك فإنك أنت أفزعتها وألقت ولدها في سَبيلك[15]

" میرا خیال ہے کہ آپ کو اس کی دیت ادا کرنا چاہئے کیونکہ آپ کے خوف سے اس عورت نے راستے میں اپنا حمل ساقط کر دیا ہے۔"[16]

فقہائے اسلام کا اسقاطِ حمل کی دنیوی سزا کے طور پر غرہ کی ادائیگی کے واجب ہونے میں اتفاق ہے، اور غرۃ کی مالیت پوری دیت کا نصف عشر (یعنی بیسواں حصہ) ہونے پر بھی ان میں اتفاق ہے۔ جبکہ اسقاطِ حمل کے کفارہ کے بارے میں شافعیہ اور حنابلہ کا موقف ہے کہ متاثرہ خاندان کے حق کی بجائے اللہ کے حق ہونے کے ناطے یہ واجب ہے جبکہ حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں یہ کفارہ ادا کرنا مستحب ہے، واجب نہیں۔[17]

جنین کی عمر کے لحاظ سے اسقاطِ حمل

اوپر ذکر کردہ احادیث وآثار سے علم ہوا کہ اسقاطِ حمل اسلام کی رو سے ایک جرم ہے اور اس کے مرتکب کو شرعی سزا کے ساتھ ساتھ آخرت میں باز پرس سے بچنے کے لئے کفارہ بھی ادا کرنا ہو گا۔

اسلام میں اسقاطِ حمل کے احکام میں قدرے تفصیل ہے، بعض صورتوں میں اسقاطِ حمل کی گنجائش ہو سکتی ہے اور بعض صورتوں میں بالکل نہیں۔ اس تفصیل میں جانے سے قبل ضروری ہے کہ رحم مادر میں جنین کے حالات کا علم حاصل کیا جائے۔

شریعتِ اسلامیہ کے اعجاز میں سے ہے کہ جن باتوں کو آج جدید سائنس کئی ایک آلات آجانے کے بعد تجربات کے ذریعے ثابت کر رہی ہے، نبی اسلام محمد ﷺ نے چودہ صدیاں قبل ان کے بارے میں جو خبریں دی تھیں، وہ آج حرف بحرف سچ ثابت ہو رہی ہیں۔

اسلامی لٹریچر میں بچے کے لئے قبل از ولادت 'جنین' کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ جنین کے معنیٰ مستور اور

چھپے ہوئے کے ہیں: وكلّ شيء ستر عنك فقد جنّ عنك[18]

یعنی "ہر وہ شے جو آپ سے مخفی ہو تو اس پر جن کا لفظ بولا جائے گا۔"

حافظ ابن حجر جنین کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الجنين وزن عظيم حمل المرأة ما دام في بطنها سمي بذلك لاستتاره فإن خرج حيا فهو ولد أو ميتا فهو سقط[19]

"جنین، عظیم کے وزن پر ہے۔ یعنی عورت کا حمل جب تک اس کے پیٹ میں ہو تو اس کے مخفی ہونے کی وجہ سے اسے جنین کہا جاتا ہے۔ اگر وہ زندہ بچہ کی صورت میں سامنے آئے تو وہ 'ولد' کہلاتا ہے اور مردہ صورت میں آئے تو وہ 'سقط' ہوگا۔"

ہر نظریہ اپنے لئے موزوں الفاظ کا استعمال کرتا ہے۔ طبی اصطلاح فیٹس یا ایمبریو میں باہمی فرق کے لئے جو 8 تا 10 ہفتوں کا فرق رکھا گیا ہے، پھر فیٹس کو وضع حمل تک پھیلا دیا گیا ہے تو ایسا اس جنین کی جسمانی حالت کی بنا پر کیا گیا ہے۔ اور جدید میڈیکل سائنس بھی اسی اعتبار سے اس کا جائزہ لیتی ہے جبکہ اسلام جو ایک کامل و اکمل دین ہے، اس کے ماننے والوں نے جنین کا اطلاق اس بچے کے مستور ہونے کی بنا پر کیا ہے۔ جہاں تک خلقت کے مراحل کا تعلق ہے تو یہ اسلام کا خاص موضوع ہے جس میں ہر ہر مرحلے میں جنین کے نام علیحدہ علیحدہ ہیں۔ جو درج ذیل آیات میں ہیں:

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۭ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝﴾

"ہم نے انسان کو مٹی کے سَت سے بنایا، پھر اس کو ایک محفوظ جگہ نطفہ میں رکھا، پھر اس نطفہ کو علقہ (لوتھڑے) کی شکل دی، پھر علقہ کو مُضغہ (بوٹی) بنا دیا، پھر مضغہ کی ہڈیاں بنائیں، پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر اُس میں (روح پھونک کر) نئی تخلیق کی۔ اللہ کی ذات بڑی بابرکت ہے، جو بہترین خالق ہے۔"

اس آیتِ کریمہ میں انسان کے قبل از ولادت 7 مراحل بیان کئے گئے ہیں اور ہر ایک کا علیحدہ نام

رکھا گیا ہے: پہلے کیچڑ کے جوہر سے وغیرہ سے مرد و زن کے پانی کی تخلیق... نطفہ... علقہ... مضغہ... مضغہ سے ہڈی اور اس پر گوشت کی تخلیق... پھر اس میں روحِ انسانی

یوں تو یہ موضوع قرآنِ کریم کی متعدد آیات میں بیان ہوا ہے، تاہم انسانی تخلیق اور اس کی زندگی کے مراحل پر اس آیت میں ایمان افروز رہنمائی موجود ہے:

﴿ يَآيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۭ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـــًٔا ۭ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝ ﴾

"انسانو! اگر تمہیں موت کے بعد کی زندگی کے بارے کچھ شک ہے تو (یاد رکھو کہ) ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے، پھر علقہ (لوتھڑے) سے، پھر مضغہ (بوٹی) سے جو روح والی بھی ہوتی ہے اور بغیر روح کے بھی، تاکہ تم پر حق و باطل واضح ہو جائے۔ پھر اس (مضغہ) کو جب تک ہم چاہتے ہیں ایک وقت خاص تک رحموں میں ٹھیرائے رکھتے ہیں۔ پھر تم کو ایک بچّے کی صورت میں (رحم مادر سے) نکالتے ہیں، تاکہ تم اپنی پُوری جوانی کو پہنچو اور تم میں سے کوئی پہلے ہی واپس بلا لیا جاتا ہے اور کوئی بدترین عمر کی طرف پھیر دیا جاتا ہے تاکہ سب کچھ جاننے کے بعد پھر کچھ نہ جانے۔ اور تم دیکھتے ہو کہ زمین سوکھی پڑی ہے، پھر جہاں ہم نے اُس پر مینہ برسایا کہ یکایک وہ پھبک اٹھی اور پھول گئی اور اس نے ہر قسم کی خوش منظر نباتات اگلنی شروع کر دی۔"

آیتِ کریمہ میں انسانی زندگی کے قبل از ولادت پانچ مراحل وہی بیان کئے گئے ہیں، جو پہلی آیت میں ہیں، چھٹے مرحلہ میں مخلّقہ و غیر مخلقہ سے مراد اس میں روح کی تخلیق کا ہونا یا بعض اوقات بغیر روح کے ہی مر جانا ہے۔ تخلیق روح کا مقصد یہ ہے کہ اس روح کی بنا پر انسان میں حق و باطل کا شعور پیدا ہوتا ہے اور وہ عند اللہ مسئول ہوتا ہے، گویا اس روح سے مراد حیاتِ مادی کی بجائے نفس مدبرہ والی روح ہے۔ ساتویں مرحلہ میں روح پھونکنے کے بعد اس کو مزید چار پانچ ماہ رحم مادر میں رکھا کر پورا انسان بنایا جاتا ہے۔ آٹھویں مرحلہ میں یہ انسان وضع حمل ہو کر دنیا میں آتا ہے۔ نویں مرحلہ میں اس کی جسمانی بلوغت پھر عقلی بلوغت، دسویں مرحلہ میں بعض انسانوں کا فوت ہو جانا یا بعض کا بڑھاپے کی عمر کو پہنچنا

مراد ہے جس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ انسان بچپن اور کمزوری گزار کر، دوبارہ بچپنے، لاعلمی اور کمزوری کا شکار ہو جاتا ہے۔ آخر آیت میں ان دس مراحل کے لئے اللہ نے ایک سادہ مثال زمین رکھیتی کی دی ہے کہ کس طرح کوئی سوکھی یا بنجر زمین (انسانی کی تخلیق بھی مٹی سے) ہوتی ہے، جب اس پر پانی برستا ہے اور اس میں بیج (انسان کی ولادت کے لئے نطفہ) ڈالا جاتا ہے تو وہ بیج ایک وقت تک زمین میں رہتا ہے، پھر تناور درخت بنتا ہے، پھل دیتا ہے، پھر اپنی عمر پوری کر کے رزقِ خاک ہو جاتا ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ایک فرمان بھی اس بارے میں بڑی وضاحت کرتا ہے، جسے عبید اللہ بن رفاعہ نے روایت کیا ہے:

"سیدنا عمرؓ بن خطاب کے پاس بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عزل کا تذکرہ کیا اور اس کی شرعی حیثیت کے بارے میں ان میں اختلاف ہو گیا تو عمر بن خطاب فرمانے لگے: تمہارا اس بارے میں اختلاف ہو گیا ہے، حالانکہ تم بہترین بدری صحابہ ہو تو عام لوگوں کا کیا ہو گا؟ اس پر دو شخص سرگوشیاں کرنے لگے تو آپ نے پوچھا کہ کس بارے میں سرگوشیاں ہو رہی ہیں؟ جواب ملا کہ یہود عزل کو 'چھوٹے زندہ گاڑنا' کے مترادف سمجھتے ہیں۔ اس پر سیدنا علیؓ نے فرمایا:

إنها لا تكون موؤدة حتي تمر بالقارات السبع: تكون سلالة من طين ثم تكون نطفة ثم تكون علقة ثم تكون مضغة ثم تكون عظاما ثم تكون لحما ثم تكون خلقا آخر فعجب عمر من قوله وقال: جزاك الله خيرا[20]

"عزل کیونکر موءودۃ (زندہ گاڑنا) ہو سکتا ہے حتیٰ کہ وہ سات مراحل سے نہ گزر لے: کھنکتی مٹی... نطفہ... علقہ... مضغہ... پھر ہڈی... پھر گوشت... پھر روح۔ سیدنا عمرؓ اس قول سے بڑے خوش ہوئے اور انہوں نے سیدنا علیؓ کو جزائے خیر کی دعا دی۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض احادیث اس مرحلہ کی مزید وضاحت کرتی ہیں، سیدنا عبد اللہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا، ثُمَّ يَكُونُ عَلَقَةً مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ يَبْعَثُ اللهُ مَلَكًا فَيُؤْمَرُ بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ، وَيُقَالُ لَهُ: اكْتُبْ عَمَلَهُ، وَرِزْقَهُ، وَأَجَلَهُ، وَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيدٌ، ثُمَّ يُنْفَخُ فِيهِ الرُّوحُ...[21]

”تم میں سے ہر انسان اپنی ماں کے پیٹ میں 40 روز تک مجتمع کیا جاتا ہے، پھر وہ علقہ بن جاتا ہے اتنی ہی مدت، پھر وہ اتنی ہی مدت مضغہ رہتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتے ہیں، جو چار کلمات کا حکم دیا جاتا ہے: اسے کہا جاتا ہے کہ اس کے اعمال، رزق، موت کا وقت اور اس کا خوش یا بد بخت ہونا لکھ دے۔ پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔“

یوں تو اس موضوع پر صحاحِ ستہ میں دو درجن سے زائد فرامینِ نبویہؐ موجود ہیں، تاہم یہ حدیث اس باب میں اصل کی حیثیت رکھتی ہے جس میں نطفہ، علقہ اور مضغہ کے بعد 120 / ایام یعنی تقریباً چار ماہ پورے ہونے پر چار اُمور کی تقدیر اور اس مضغہ میں روح پھونکے جانے کا تذکرہ ہوا ہے۔

اسی حوالے سے ایک اور اہم حدیث صحیح بخاری میں سیدنا حذیفہ بن اسید غفاری کی زبانی بھی مروی ہے:

فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «إِذَا مَرَّ بِالنُّطْفَةِ ثِنْتَانِ وَأَرْبَعُونَ لَيْلَةً بَعَثَ اللهُ إِلَيْهَا مَلَكًا فَصَوَّرَهَا وَخَلَقَ سَمْعَهَا وَبَصَرَهَا وَجِلْدَهَا وَلَحْمَهَا وَعِظَامَهَا ثُمَّ قَالَ يَا رَبِّ أَذَكَرٌ أَمْ أُنْثَى فَيَقْضِي رَبُّكَ مَا شَاءَ وَيَكْتُبُ الْمَلَكُ ثُمَّ يَقُولُ يَا رَبِّ أَجَلُهُ فَيَقُولُ رَبُّكَ مَا شَاءَ وَيَكْتُبُ الْمَلَكُ ثُمَّ يَقُولُ يَا رَبِّ رِزْقُهُ فَيَقْضِي رَبُّكَ مَا شَاءَ وَيَكْتُبُ الْمَلَكُ ثُمَّ يَخْرُجُ الْمَلَكُ بِالصَّحِيفَةِ فِي يَدِهِ فَلَا يَزِيدُ عَلَى مَا أُمِرَ وَلَا يَنْقُصُ»[22]

”میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا: جب نطفہ پر بیالیس دن گزر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو بھیجتے ہیں جو اس کی تصویر بناتا ہے۔ اس کے کان، آنکھیں، جلد، گوشت اور ہڈیاں بناتا ہے۔ پھر وہ پوچھتا ہے کہ یا ربّ! یہ مرد ہو گا یا عورت؟ اللہ عزوجل جو چاہتے ہیں فیصلہ فرما دیتے اور فرشتہ اس کو لکھ لیتا ہے۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ سے اس کی موت کے بارے میں پوچھتا ہے، جو اللہ چاہتے ہیں فرماتے ہیں اور فرشتہ اس کو نوٹ کر لیتا ہے۔ پھر فرشتہ اس کے رزق کے بارے میں استفسار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حسبِ منشا اس کا فیصلہ کرتے اور فرشتہ لکھ لیتا ہے۔ پھر فرشتہ اپنے ہاتھ میں یہ محرر صحیفہ لے کر نکل جاتا ہے اور جو اُسے لکھا یا گیا، اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کرتا۔“

مذکورہ بالا دونوں احادیث میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے کہ فرشتہ کب آتا ہے؟ اور یہ سوال بھی اکثر اہل علم کے لئے مشکل کا باعث بنا ہے کہ جنین میں روح کب پھونکی جاتی ہے؟ کیا حدیثِ حذیفہؓ کے

مطابق بیالیس دنوں کے بعد یا عبد اللہؓ بن مسعود کی حدیث کے مطابق 120/ایام کے بعد؟ چونکہ یہ سوال بڑا ہی اہم ہے، اور اسقاطِ حمل کے باب میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے، اس لئے اُس کو نکھارنے کی ضرورت ہے۔

امام ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم الجوزیہ اور حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ نے دونوں احادیث میں یہ تطبیق دی ہے کہ

"جس طرح کپڑے یا لکڑی کو کاٹنے سے قبل نشان لگایا جاتا ہے، اسی طرح انسان کی مادی تشکیل بھی ایک ہی مرحلے کی بجائے متعدد مراحل میں ہوتی ہے۔ 42 دن کے بعد اس تصویر کا آغاز ہوجاتا ہے جس کو اس وقت انسانی حواس دیکھنے پر قادر نہیں ہوتے جبکہ 120/ایام کے بعد وہ تصویر اس طرح مکمل ہوجاتی ہے کہ انسانی آنکھ بھی ان اعضا کو دیکھ سکتی ہے۔ تصویر کا پہلا مرحلہ خالص علمی اور نظری ہے اور باقی مراحل خارجی اور ظاہری ہیں۔ بعینہٖ اس طرح جیسے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی تقدیر آسمان وزمین کی تخلیق سے 50 ہزار سال قبل لکھ دی تھی۔ اس کے بعد نفخ روح کے وقت دوبارہ اس کی تقدیر قدرے صراحت کے ساتھ لکھی جاتی ہے۔"[23]

حافظ ابن رجب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا توجیہ میں یہ اضافہ کیا ہے کہ "تقدیریں ایک بار آسمان میں لکھی جاتی ہیں اور دوسری بار رحم مادر میں۔"[24]

امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں ان کی تطبیق یوں دی ہے کہ

... فصارت الكتابة بعد الأربعين الأولىٰ والتصوير بعد الأربعين الثانية ونفخ الروح بعد الثالثة فيكون للملك ثلاث تصرفات في الجنين[25]

"فرشتہ تین بار آتا ہے: 40 دن کے بعد پہلی بار آکر اس کا رزق، اجل، اعمال اور شقاوت وسعادت لکھتا ہے، پھر 80 دن کے بعد آکر اس کی سماعت، بصارت، جلد، گوشت، ہڈیاں اور مذکر ومؤنث ہونا لکھتا ہے۔ پھر 120 دن یعنی پوری جسامت مکمل ہوجانے کے بعد تیسری بار فرشتہ آکر اس میں روح پھونکتا ہے۔"

جنین میں زندگی کی دو اقسام ہیں: ایک زندگی تو وہ ہے جو مادی اشیا میں جاری وساری ہے جس کی بنا پر ایک خلیہ دوسرے سے مل کر مزید خلیات میں تقسیم ہوتا رہتا ہے۔ یہ جسم انسانی کی طبعی زندگی ہے جو کھانے پینے کی محتاج ہوتی ہے اور کسی عارضے مثلاً جسم انسانی کو سانس، غذا وغیرہ نہ ملنے پر اس کا مادی

وجود ختم ہو جاتا ہے، لیکن جسم انسانی کوئی خالص طبعی وجود نہیں کہ اس کو مشینوں کے سہارے زندہ رکھا جائے گو کہ انسانی روح کی زندگی بھی جسم کی مادی اور طبعی زندگی پر بھی موقوف ہے۔ انسانی جسم میں ایک اور زندگی روح کی ہے اور اس کا علم ہمیں خالصتاً وحی الٰہی سے ہوتا ہے۔ انسان کی موت کے وقت انسان کی روح آسمانوں کی طرف لے جائی جاتی ہے اور وہاں اسے مرحبا کہا جاتا یا اس سے نفرت کی جاتی ہے۔ پھر یہ روح سجین میں پھینک دی جاتی یا علیین میں قرار پکڑتی ہے۔ اس لحاظ سے پہلے 120 دنوں میں تو مادی جسم کی بڑھوتری از خود ہوتی رہتی ہے، اس کے بعد اس میں روح پھونکی جاتی ہے، اور اس کی مزید ترقی روح انسانی کی محتاج ہوتی ہے۔ اس روح کو قوتِ مدبرہ کا نام دیا جاتا ہے، جس کی بنا پر انسان غور و فکر کرتا، تدبیر واجتہاد بروئے کار لاتا ہے اور اس بنا پر اللہ کے ہاں مسئول ہوتا ہے۔ علامہ ابن قیم الجوزیہ نے رحم مادر میں پائی جانے والی ان زندگیوں کا چھ صدیاں قبل بڑے خوبصورت انداز میں تعارف کرایا ہے، جو علماے اسلام کی بصیرت اور وحی الٰہی سے بھرپور رہنمائی کی روشن مثال ہے:

> "فلاں طبیب نے جو 40 دن سے قبل جنین کی حرکت کا تذکرہ کیا ہے تو یہ سراسر غلط ہے۔ جہاں تک روح کا تعلق ہے تو وہ تین چالیسوں کے بعد شروع ہوتی ہے اور اُسی وقت ہی اُس کی بنا پر حرکت ہو سکتی ہے۔ ارادی حرکت 120 دن سے پہلے نہیں ہو سکتی۔ اس سے پہلے ہونے والی حرکت ذاتی اور اختیاری نہیں ہوتی بلکہ یہ حرکت بعض رطوبات اور بعض پردوں کے سامنے آجانے کی بنا پر (مادی) ہوتی ہے: ولكن الذي نقطع به أن الروح لا تتعلق به إلا بعد الأربعون الثالثة وما يقدر من حركة قبل ذلك ــ إن صحت ــ لم تكن بسبب الروح[26]

احادیث میں اس ظاہری تعارض کے سلسلے میں یاد رہے کہ حدیثِ حذیفہ میں روح کے پھونکے جانے کا تذکرہ موجود نہیں ہے۔ یعنی نفخ روح تو واضح طور پر 120 دنوں کے بعد ہی ہوتا ہے۔ اور حدیث عبد اللہ بن مسعود میں مذکر مؤنث کے تعین کی وضاحت نہیں، صرف جسم کی صورت گری کی بات کی گئی ہے۔ گویا ان دونوں باتوں میں اختلاف سرے سے موجود نہیں۔ اور قرآن کریم سے بھی حدیثِ ابن مسعود یعنی 120 دن کے بعد روح پھونکے جانے کی ہی تائید ہوتی ہے:

i. قرآنِ کریم کی آغاز میں ذکر کردہ آیت (نمبر 4) میں مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ

لَکُمْ کے الفاظ بیان کر کے تخلیق نفس کو مضغہ کی صفت بنایا گیا ہے، یعنی روح کا پھونکا جانا مضغہ (لو تھڑے) کے مرحلہ میں ہوتا ہے اور مضغہ، نطفہ اور علقہ کے پہلے 80 دن کے بعد شروع ہو کر 120 دن پر ختم ہوتا ہے۔ آیت کا ظاہر یہ بتاتا ہے کہ روح مضغہ سے پہلے مرحلہ میں نہیں ہے۔ اور غیر مخلقۃ کا مطلب اس میں روح کا نہ پھونکا جانا ہے جیسا کہ تفسیر الدر المنثور میں آیت مذکور کی شرح میں یہ روایت مذکور ہے:

فقال: یا ربّ! مخلقة أم غیر مخلقة؟ فإن قیل غیر مخلقة، لم تکن نسمة وقذفتها الرحم دماً؛ وإن قیل مخلقة قال: یا رب! أذکر أم أنثی؟[27]

"فرشتہ کہتا ہے یا ربّ! روح والا یا بغیر روح کے؟ اگر بغیر روح کے ہو تو اس میں روح نہیں پھونکی جاتی اور رحم اس کو خون کے لو تھڑے کی شکل میں پھینک دیتا ہے اور اگر کہا جائے کہ روح والا تو پھر فرشتہ پوچھتا ہے کہ اے ربّ! کیا مرد یا عورت؟"

ابن عباس في قوله مخلقة وغیر مخلقة قال: المخلقة، ما کان حیًا وغیر مخلقة ما کان من سقط[28]

"ابن عباس سے مروی ہے کہ مخلقۃ جو زندہ ہو اور غیر مخلقۃ وہ جو رحم سے گر جائے۔"

ii. شیخ محمد بن صالح العثیمین لکھتے ہیں:

فإما أن نطرح الحدیث لمخالفة ظاهره أو صریحه لظاهر الآیة ونقول: لا تخلیق قبل المضغة والحدیث منکر وإما أن نقول إن من الأجنة ما یخلق قبل طور المضغة کما یفید الحدیث ومن الأجنة ما لایخلق إلا في طور المضغة کما تفید الآیة وهو الغالب الکثیر وبهذا یکون الجمع بین الآیة وظاهر الحدیث أو صریحه[29]

"یا تو ہم اس حدیث کے ظاہر اور صریح موقف کو قرآن کے ظاہر کی بنا پر ترک کر دیں اور کہیں کہ مضغہ سے پہلے کوئی تخلیق نہیں ہوتی اور یہ حدیث منکر ہے۔ یہ پھر یوں کہیں کہ بعض جنین ایسے بھی ہیں جو مضغہ بننے سے قبل ان میں روح پھونک دی جاتی ہے جیسا کہ حدیث بتاتی ہے اور بعض جنین ایسے ہیں جن میں آیت مذکور کے مطابق مضغہ کے دوران روح پھونکی جاتی ہے اور ایسا اکثر

ہوتا ہے۔یوں آیت کریمہ اور حدیث کے ظاہر میں موافقت پیدا ہوسکتی ہے۔"

تاہم راقم کی رائے میں ، جب حدیثِ حذیفہ (42 دن والی) میں روح کے پھونکے جانے کی صراحت ہی موجود نہیں ہے تو پھر روح کا پھونکا جانا اصل مسئلہ ہی نہیں رہتا بلکہ اصل مسئلہ فرشتہ کے دوبار آنے یا تقدیر کے بعض اُمور کے لکھے جانے کے تعدد کا رہ جاتا ہے جس کی مناسب توجیہ پیچھے گزر چکی ہے۔

iii. یہاں لَنُبَيِّنَ لَكُمْ کے الفاظ بھی بڑے ذو معنی ہیں، جس کا ترجمہ ہم نے روح پھونکے جانے کے بعد خیر وشر کی پہچان کی صلاحیت سے کیا ہے۔ یاد رہے کہ اس مرحلہ پر پیدا ہونے والی روح وہ ہے جسے شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے روح مدبرہ اور نفس کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور فرمایاہے کہ یہ وہ روح ہے جو موت کے ساتھ انسان سے مکمل خارج ہوجاتی ہے:الروح المنفوخة فيه و هي النفس التي تفارقه بالموت[30] حافظ ابن حجر نے اس موقف کو راجح قرار دیا ہے کہ یہی روح دراصل اللہ تعالیٰ کے ہاں روزِ حشر مسئول ہوگی۔[31] انسانی بدن اسی روح کے احکام کے تابع ہوتا ہے اور اسی روح کے خلاف روز قیامت انسانی جسم کے ہاتھ ، زبان اور ٹانگیں گواہی دیں گی، لیکن چونکہ جسم انسانی بھی ان لذات سے متمتع ہوتا رہا، اس لئے اللہ کے عذاب وانعام سے روح کے ساتھ ساتھ یہ جسم بھی اپنا حصہ کرے گا۔

iv. آغاز میں مذکور آیتِ کریمہ [نمبر 3] میں مذکور قرآنی الفاظ سے بھی یہی پتہ چلتا ہے:

فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ

"... پھر ہم نے لوتھڑے سے ہڈی بنائی، اور اس ہڈی پر گوشت چڑھایا۔ پھر ہم نے اس کو دوسری بار پیدا کیا۔"

اس آیت میں انسانی خلقت کی تکمیل کے بعد دوبارہ خلقت کی بات کی گئی ہے جو اس میں روح کا پھونکا جانا ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں اس آخری جملہ کی تفسیر ثم نفخنا فیہ الروح سے کی گئی ہے اور سیدنا علی، عبد اللہ بن عباس، ابو سعید خدری، مجاہد، عکرمہ، شعبی، حسن وغیر ہم سے یہی تفسیر منقول ہے۔ اس ترتیب سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اعضا کی تکمیل کے بعد روح پھونکی جاتی ہے۔ یہاں دوسری تخلیق سے یا تو جسمانی تخلیق کے بعد اس کی روحانی تخلیق مراد ہے یا ارواح کی 'عہد الست' کے بعد دوسری تخلیق مراد ہے۔ تاہم بعض مفسرین نے اس سے روزِ قیامت کی تخلیق ثالث بھی مراد لی ہے۔

V. سورۃ السجدۃ کی آیت 14 میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہی بات بیان کی ہے کہ

ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۚ ⑧ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَ نَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ⑨

"پھر انسان کی نسل ایک ایسے ست سے چلائی جو حقیر پانی سے ہے۔ پھر اس کو نِک سُک سے درست کیا اور اس میں اس کی روح پھونک دی، اور تم کو کان دیے، آنکھیں دیں اور دِل دیے۔ تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو۔"

آیتِ مذکور میں اللہ تعالیٰ نے نفخ روح کا تذکرہ، انسان کو درست بنا دینے کے بعد کیا ہے۔ اور اس کے بعد اس میں سننے، دیکھنے اور دل کی صلاحیت پیدا کی۔

مذکورہ بالا دلائل سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ رحم مادر میں بچے کی تخلیق مختلف مراحل میں مکمل ہوتی ہے اور جو بچہ 120 دن پورے کر لے تو اس کے مادی وجود کی تکمیل پر اس میں روح بھی پھونک دی جاتی ہے۔ یاد رہے کہ جدید سائنس میں بچے کو پہلے 8 تا 10 ہفتے تک جو ایمبریو کا نام دیا گیا اور ازاں بعد وضع حمل تک اسے فیٹس کہا جاتا ہے تو اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ 8 تا 10 ہفتے یعنی دو سے ڈھائی ماہ کے دوران بچے کی جسمانی نشو و نما کا ایک مرحلہ مکمل ہو جاتا ہے۔ چونکہ روح کا کوئی تصور جدید سائنس کے ہاں موجود نہیں، اس بنا پر جسمانی تشکیل کے اس مرحلہ سے جو ابھی متوسط مرحلہ میں ہے، وضع حمل تک اس پر دوسری اصطلاح کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔ اور اسی نمو کا جدید نام بھی 'حیات' بھی ہے۔ چنانچہ سائنس کے نزدیک نباتات میں بھی صرف نمو ہونے کی بنا پر حیات موجود ہوتی ہے۔ اگرچہ اسے بعض لوگوں نے لا مشاحة في الاصطلاح کے عذر سے نظر انداز کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک اللہ کی تعبیر 'روح' سے مراد صرف نمو نہیں ہے بلکہ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ ہے۔

ڈاکٹر مولانا حافظ عبد الرحمن مدنی حفظہ اللہ اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"واضح رہے کہ حدیث حذیفہ میں ۴۲ دن کے بعد روح پھونکے جانے کا ذکر نہیں ہے بلکہ جنین کی صورت گری اور تقدیر کے فیصلوں کا بیان ہے۔ اسی طرح جنین کی بدلتی ہوئی وہ شکلیں صرف مستقبل کے اعتبار سے تدریجاً ذکر ہوئی ہیں نہ یہ کہ سارا کچھ اسی وقت واقع ہو جاتا ہے۔ اس حدیث میں تمام حالتوں کے اجمالی ذکر سے اشکال پیدا ہوتا ہے لیکن دونوں احادیث میں تطبیق کی جھلک

بھی نظر آ رہی ہے جو یوں ہے کہ روح تو چار ماہ بعد ہی پھونکی جاتی ہے جسے قرآن مجید میں 'خلق آخر' قرار دیا گیا ہے جبکہ ۴۲ دن کے بعد ہی اس جنین میں مستقبل کے انسان کے خواص جھلکنے لگتے ہیں اور ان خواص کی اجاگری ہی کے لیے فرشتے کو بھیجا جاتا ہے جو واقعتاً چار ماہ (120 دن) تک اللہ کے حکم سے بتدریج اس جنین کے طبعی خواص یعنی شکل وصورت، تذکیر وتانیث اور روحانی خواص یعنی حیات واجل کی شکلیں بدلتا رہتا ہے۔"

اسقاطِ حمل کی شرعی حیثیت

مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہوا کہ کوئی انسان رحم مادر میں کس وقت ذی روح نفس بنتا ہے، او رکس وقت وہ صرف ایک علقہ، مضغہ اور نطفہ ہی ہوتا ہے؟ اس تفصیل پر ہی چونکہ شرعی حکم کا انحصار ہے، او راہل علم نے جنین کے ان مراحل کو سامنے رکھتے ہوئے اسقاطِ حمل کی بحث کی ہے۔ اس لئے ذیل میں ہر دو مراحل کے لحاظ سے علیحدہ شرعی حکم مع دلائل پیش کیا جاتا ہے:

نفخ روح کے بعد اسقاطِ حمل... فقہا کے اقوال اور دلائل کا تجزیہ

پیش نظر مسئلہ میں جس امر پر فقہا کے مابین اتفاق بیان کیا جاتا ہے، وہ نفخ روح کے بعد اسقاطِ حمل کا ناجائز ہونا ہے، حتی کہ اگر والدہ کی جان بھی اس بنا پر خطرہ میں ہو تو بچے کو ساقط نہیں کیا جاسکتا۔ اور ان کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے:

قرآن کریم کی آیت ہے: ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق[32]

"کسی بھی نفس کو ناحق قتل نہ کرو، جس کو اللہ نے حرام ؟؟؟ کہا ہو۔"

سیدنا عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ إِلَّا بِإِحْدَى ثَلَاثٍ النَّفْسُ بِالنَّفْسِ وَالثَّيِّبُ الزَّانِي وَالْمَارِقُ مِنْ الدِّينِ التَّارِكُ لِلْجَمَاعَةِ[33]

"کسی مسلمان کا خون جو کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ماننے والا ہو حلال نہیں ہے۔ البتہ تین صورتوں میں جائز ہے: جان کے بدلہ جان لینے والا، شادی شدہ ہو کر زنا کرنے والا اور اسلام سے نکل جانے والا (مرتد) جماعت کو چھوڑ دینے والا۔"

آیت کریمہ میں معصوم نفس کو ناحق قتل کرنے کو حرام قرار دیا گیا ہے، اور حدیثِ مبارکہ میں

تین صورتوں کے علاوہ ہر مسلمان کا خون حرام بتایا گیا ہے۔

فقہاے کرام کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ شدید ترین جبر کے باوجود یہ جائز نہیں کہ انسان اپنی جان بچانے کے لئے دوسرے کی جان لے سکے۔[34] چنانچہ والدہ کے لئے کیوں کر ایسا جائز ہو سکتا ہے ؟ تاہم مجبور کرنے والے کی سزا کے بارے میں فقہا میں اختلاف ہے: جمہور کے نزدیک جابر اور مجبور دونوں سے قصاص لیا جائے گا، امام ابو حنیفہ کے ہاں جابر سے اور امام شافعی کے ہاں مجبور سے قصاص لیا جائے گا۔[35]

فقہاے کرام کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ کوئی مجبور شخص اپنی جان بچانے کے لئے دوسرے کی جان نہیں لے سکتا[36]۔ یعنی حرمت نفس کا مسئلہ ضرورت و مصلحت اور اخف الضررین سے بالاتر ہے۔

چنانچہ تکملۃ البحر الرائق کے مصنف محمد بن حسین طوری حنفی (م1138ھ) لکھتے ہیں:

إن إحياء نفس بقتل نفس أخرى لم يرد في الشرع [37]

"ایک نفس کو قتل کر کے دوسرے نفس کو زندگی دینا، شریعت میں نہیں ہے۔"

اور ولا تنتهك حرمة آدمي لآدمي آخر [38]

"ایک شخص کے حرمت کے لئے دوسرے کی حرمت کو پامال نہیں کیا جا سکتا۔"

چنانچہ جب نفخ روح کے بعد جنین کی زندگی یقینی ہو گئی تو والدہ کی زندگی بچانے کے لئے جنین کو ساقط نہیں کیا جا سکتا۔

کسی نفس کو خود قتل کرنا جائز نہیں، تاہم اگر کوئی جنین ماں کی وفات کی وجہ سے خود بخود مر جاتا ہے، تو وہ اللہ کی تقدیر ہے، جس کو خود اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ یہی موقف شیخ محمد بن صالح عثیمین کا بھی ہے کہ جس طرح مجبوری کے وقت زندہ انسان کو کھانا حرام ہے، اور مجبور شخص کا دوسرے کو قتل کرنا جائز نہیں، اسی طرح والدہ کی زندگی کی مجبوری کی بنا پر بھی جنین کو ساقط کرنا جائز نہیں۔[39]

فقہا کے اس اتفاق کو کویت کے موسوعہ فقہیہ میں یوں بیان کیا گیا ہے:

وَلاَ يُعْلَمُ خِلاَفٌ بَيْنَ الْفُقَهَاءِ فِي تَحْرِيمِ الإِْجْهَاضِ بَعْدَ نَفْخِ الرُّوحِ. فَقَدْ نَصُّوا عَلَى أَنَّهُ إِذَا نُفِخَتْ فِي الْجَنِينِ الرُّوحُ حُرِّمَ الإِْجْهَاضُ إِجْمَاعًا. وَقَالُوا إِنَّهُ قَتْلٌ لَهُ، بِلاَ خِلاَفٍ. وَالَّذِي يُؤْخَذُ مِنْ إِطْلاَقِ الْفُقَهَاءِ تَحْرِيمَ الإِْجْهَاضِ بَعْدَ نَفْخِ

الرُّوحِ أَنَّهُ يَشْمَل مَا لَوْ كَانَ فِي بَقَائِهِ خَطَرٌ عَلَى حَيَاةِ الأُمِّ وَمَا لَوْ لَمْ يَكُنْ كَذَلِكَ. وَصَرَّحَ ابْنُ عَابِدِينَ بِذَلِكَ فَقَال: لَوْ كَانَ الْجَنِينُ حَيًّا، وَيُخْشَى عَلَى حَيَاةِ الأُمِّ مِنْ بَقَائِهِ، فَإِنَّهُ لاَ يَجُوزُ تَقْطِيعُهُ؛ لأِنَّ مَوْتَ الأُمِّ بِهِ مَوْهُومٌ، فَلاَ يَجُوزُ قَتْل آدَمِيٍّ لأِمْرٍ مَوْهُومٍ[40]

"نفخ روح کے بعد اسقاط حمل کے حرام ہونے میں فقہا کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے۔ فقہا کے ہاں واضح طور پر یہ موجود ہے کہ اگر جنین میں روح پھونکی جاچکی ہو تو پھر بالا جماع اسقاط حرام ہے۔ اور انہوں نے بلا اختلاف اس کو قتل قرار دیا ہے۔ فقہا کے بلا قید صراحت کرنے سے علم ہوتا ہے کہ اسقاط کی یہ حرمت ماں کی زندگی پر نقصان دہ اثرات کے ہونے یا نہ ہونے کی دونوں صورتوں کو شامل ہے۔ حتی کہ ابن عابدین نے یہاں تک صراحت کی ہے کہ اگر بچہ زندہ ہو اور اس کے زندہ رہنے سے ماں کی زندگی کو خطرہ ہو تب بھی بچے کو ضائع کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ ماں کی موت کا احتمال ہے اور کسی احتمال کی صورت میں دوسرے انسان کا قتل جائز نہیں ہوتا۔"

نفخ روح کے بعد جوازِ اسقاط کا موقف

تاہم ماضی کے برعکس بہت سے معاصر فقہا نے اس صورت میں جنین کو ساقط کرنے کو جائز اور بعض نے واجب قرار[41] دیا ہے جب اس کے سوا ماں کے بچنے کی کوئی صورت نہ ہو۔ اور وہ کہتے ہیں کہ فرع یعنی بچے پر اصل یعنی ماں کو ترجیح دی جائے گی اور یہی موقف سعودی عرب کی کبار علما کونسل کا بھی ہے، فتویٰ کا متن یہ ہے:

وبعد إكمال أربعة أشهر للحمل لا يحل إسقاط الجنين حتي يقرر جمع من الأطباء المتخصصين الموثوقين أن بقاء الجنين في بطن أمه يسبب موتها، وذلك بعد استنفاذ كافة الوسائل لإنقاذ حياته[42]

"حمل کو چار ماہ پورے ہونے کے بعد جنین کا اسقاط جائز نہیں حتی کہ سپیشلسٹ اور معتمد ڈاکٹروں کا بورڈ یہ مطالبہ کرے کہ بچے کا ماں کے پیٹ میں رہنا، والدہ کی موت کا سبب ہے۔ اور اس کے لئے بھی جنین کی جان بچانے کے دیگر جملہ امکانات بھی استعمال کئے جائیں۔"

اوران کی دلیل یہ ہے کہ

ماں اصل ہے، اور ماں کے نہ بچنے کی صورت میں جنین کا بچنا بھی مشکل ہو جائے گا۔ نیز ماں کی زندگی مستقل ہے، جبکہ جنین کی زندگی ماں کی زندگی سے مربوط و مشروط ہے۔ مزید بر آں ماں خاندان کا محور ہے، اور شوہر کے لئے بعض اوقات نیا نکاح ناممکن ہوتا ہے جبکہ ماں کے باقی بچوں کو دوسری ماں مل ہی نہیں سکتی، جبکہ جنین کے ذمے ابھی کوئی فرض نہیں ہے۔ نیز ماں کی وفات کی صورت میں بچے کی رضاعت و تربیت کی بنا پر اس کو لاحق خطرات سنگین ہیں۔

جہاں تک فقہا کے استدلال کی بات ہے تو فقہانے تو ماں کے وجود کے احترام کی بنا پر، زندہ بچے کو نکالنے کے لئے بھی فوت شدہ ماں کے پیٹ کو شق کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اس صورت میں تو ماں کا احترام زیادہ ہونا چاہیے کیونکہ وہ جیتی جاگتی انسان ہے، اور بچے کی زندگی حتمی نہیں[43]۔ اگر یہ کہا جائے کہ فقہانے مردہ ماں کے پیٹ کو شق کرنے کی اجازت اس بنا پر نہیں دی کیونکہ اس دور میں بچے کی زندگی کا یقینی پتہ چلانا ممکن نہ تھا، اور اس میں ماں کے جسد کی بے حرمتی کا پہلو تھا۔ جبکہ آج ایسا نہیں بلکہ سائنسی آلات کی بنا پر بچے کی زندگی کا حقیقی علم ہو سکتا ہے۔ اور جہاں تک ماں کی بچے کے مقابلے میں زندگی کے حتمی ہونے کی بات ہے تو آج کے دور میں ماں کی طرح جنین کی زندگی کے یقینی ہونے کا بھی پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ تو اس اعتراض کی وضاحت یہ ہے کہ بہرحال جنین کی زندگی ماں کی زندگی کے مساوی نہیں ہے، کیونکہ ماں کی زندگی تو مستقل ہے، جبکہ بچے کی زندگی ماں کی زندگی کی محتاج ہے اور جنین کی حیثیت ابھی ماں کے ایک عضو کی ہے، اسی بنا پر امام جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

"چوتھا قاعدہ یہ ہے کہ تابع کو تابع ہی سمجھنا چاہیے۔ اس قاعدے کا مطلب یہ ہے کہ تابع حکم میں مستقل نہیں ہوتا، اسی بنا پر اس کو تابع قرار دیا جاتا ہے۔ اور اس کی مثال یہ ہے کہ ماں کی فروخت میں جنین اس کے تابع ہوتا ہے، اس کی علیحدہ فروخت نہیں کی جاتی۔"[44]

☆ اور جہاں تک فقہا کا یہ استدلال ہے کہ حرمتِ نفس میں مصلحت یا اخف الضررین کا کوئی دخل نہیں تو یہ بات درست ہے، تاہم یہاں قواعد ترجیح کا دخل ضرور ہے، اور ماں کی جان بچانا ہی، متعدد وجوہ ترجیح کی بنا پر راجح ہے۔ چنانچہ امام ابو حامد غزالی لکھتے ہیں:

"جب واجب اور حرام میں ٹکڑاؤ ہو جائے تو تخییر مطلق کا اصول لاگو ہوتا ہے۔ جیسا کہ اگر والد کے پاس اتنا ہی دودھ ہو کہ دو بھوکے بچوں میں تقسیم کرنا مشکل ہو، ایک کو پلائے تو دوسرا فوت ہو جائے تو اب پہلے کو پلانا ایک اعتبار سے واجب ہے اور دوسرے کی موت کا موجب ہونے کی بنا پر

حرام ہے۔ اور اس کے پاس دونوں میں سے کسی ایک کو پلانے اور دوسرے کی ہلاکت کے سوا کوئی چارہ نہ ہو تو فلا سبیل إلا التخییر پھر تخییر کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔"[45]

اور یہی موقف امام عزبن عبد السلام (م660ھ) نے بھی اختیار کیا ہے کہ

"جمع کے عدم امکان کی صورت میں جب مصالح برابر ہو جائیں تو تخیرنا في التقدیم والتأخیر للتنازع بین المتساویین دونوں متساوی چیزوں میں ہم آگے پیچھے کرنے میں خود مختار ہیں۔"[46]

نفخ روح سے قبل اسقاط حمل

نفخ روح یعنی 120 دن سے قبل اسقاطِ حمل کے بارے میں فقہا میں اختلاف ہے:

شافعیہ کے نزدیک یہ بھی حرام ہے، کیونکہ نبی ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب جنین کی ہلاکت پر سزا کو نافذ کیا تو انہوں نے اس بات میں کوئی فرق نہیں کیا کہ جنین کی عمر کیا تھی؟ ایسے ہی نبی کریم ﷺ نے جب غامدیہ ؓ کو حاملہ ہونے پر واپس بھیج دیا تو آپ نے بچے کی حفاظت کے پیش نظر ماں کو واپس بھیجا تھا[47]، اور اس میں کوئی تفصیل دریافت نہیں فرمائی کہ جنین کی عمر کتنی ہے؟ چنانچہ اگر ایسا کوئی جواز ہوتا تو نبی کریم ﷺ اس کے بارے میں جواز کے امکان کی بنا پر دریافت فرما لیتے۔ اس کی عقلی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ نطفہ روح پھونکے جانے کے بعد انسان بننے کے لئے تیار تھا۔[48]

یہی موقف حنابلہ کا بھی ہے، اور علامہ ابن قدامہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔[49]

مالکیہ کے نزدیک بھی حرام ہے کیونکہ امام مالک کہتے ہیں: "عورت جنین والے مضغہ یا علقہ سے جو بھی نکال پھینکے، وہ جرم ہے۔" دردیر کہتے ہیں کہ "رحم میں ٹک جانے والی منی کو کسی صورت نکالنا جائز نہیں، چاہے چالیس دن بھی پورے نہ ہوئے ہوں۔"[50]

جبکہ حنفیہ کے نزدیک نفخ روح سے قبل اسقاط مکروہ ہے۔ چنانچہ قاضی ابن عابدین نے حنفی فقیہ علی بن موسیٰ سے نقل کیا ہے کہ نفخ روح سے پہلے اسقاط مکروہ ہے کیونکہ اس نطفہ کا نتیجہ ایک زندگی کو بننا تھا، چنانچہ اس نطفہ کا حکم اسی طرح زندہ کا ہے جس طرح حرم میں انڈے کو ضائع کرنے کا حکم ہے۔[51] مکروہ کے قول کو بعض مالکیہ اور بعض شافعیہ[52] نے بھی اختیار کیا ہے کہ اس کی حرمت توں توں سنگین ہوتی جائے گی جوں جوں وہ نفخ روح کے قریب ہوتا جائے گا۔

اور اکثر حنفیہ کے ہاں کسی معقول عذر کی بنا پر تو نفخ روح سے قبل اسقاطِ حمل جائز ہے اور بلا عذر

اسقاط گناہ ہے۔ ابن وہبان نے اسے بھی معقول عذر قرار دیا ہے کہ اگر نئے حمل کی بنا پر پہلے بچے کا دودھ بند ہو جائے اور والد دودھ کا انتظام نہ کر سکتا ہو تو پھر نئے حمل کو ساقط کیا جا سکتا ہے، اور بعض مالکیہ، حنابلہ اور شافعیہ نے بھی عذر کی صورت میں نفخ روح سے قبل اسقاط جائز قرار دیا ہے۔

بعض حنفیہ کے ہاں بلا عذر بھی نفخ روح سے قبل اسقاط حمل جائز ہے[53]۔ مالکیہ میں سے لخمی اور شافعیہ میں سے ابو اسحٰق مروزی نے بھی 40 دن سے قبل قبل اس کی اجازت دی[54] ہے۔ اور رملی شافعی نے بصورتِ زنا، حمل ساقط کرنے کی اجازت دی[55] ہے۔ مالکیہ کا قول حمل کے اولین مراحل کے بارے میں ہی ہے۔

راجح موقف: راجح موقف یہ ہے کہ اُصولاً و شرعاً اسقاطِ حمل ناجائز ہے جبکہ معقول سنگین عذر کی بنا پر نفخ روح سے قبل جواز کی گنجائش ہے جس کا فتویٰ مخصوص حالات اور شرائط کے پیش نظر علما و مفتیان کے بورڈ کی طرف سے مخصوص ماں کے نام جاری کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ سعودی عرب کی کبار علما کونسل کا فتویٰ یہ ہے:

> ”اصل یہی ہے کہ مختلف مراحل میں اسقاطِ حمل شرعاً ناجائز ہے، پہلے چالیس دن میں اسقاط حمل کی گنجائش مفتیان اور سپیشلسٹ ڈاکٹرز کا بورڈ شرعی مصلحت یا متوقع نقصان کی بنا پر جاری کر سکتا ہے۔ البتہ تربیت اولاد میں مشقت، تعلیم اور معاش کی مشکلات، یا اتنی اولاد پر اکتفا وغیرہ کرنے کے عذر غیر معتبر ہیں۔
>
> 40 تا 120 دن یعنی نفخ روح سے قبل اسقاط حمل اسی وقت ہو سکتا ہے جب ایسے حمل کی وجہ سے ماں کی سلامتی خطرے میں پڑ سکتی ہو۔ وہ خطرہ ایسا ہو کہ حمل کی وجہ سے اس میں اضافہ ہو سکتا ہو، اور اس کی تصدیق دو عادل سپیشلسٹ ڈاکٹرز کریں، خطرہ کی وجہ خود حمل کا وجود ہو، اور اسقاط حمل کے بغیر اس کا کوئی علاج ممکن نہ ہو۔“[56] ☆☆

حوالہ جات و حواشی

1 حوالہ ویب سائٹ:http://www.hamariweb.com

2 http://www.bbc.com/urdu/regional-42319738 مؤرخہ: 12/ دسمبر 2017ء

3 http://en.wikipedia.org/wiki/Abortion

4 معجم مقاییس اللغہ از ابن فارس:ص 1/489،مادہ جہض،دار الفکر،بیروت 1399ھ

5 لسان العرب از ابن منظور:7/316،مادہ جہض،دار صادر،بیروت،1414ھ

6 تاج العروس از مرتضیٰ زبیدی:19/357،مادہ سقط،دار الہدایہ

7 فتح الكريم بأحكام الحامل والجنين از عادل بن یوسف عزازی:ص115،دار ابن الجوزی، قاہرہ 1428ھ

8 حكم الإجهاض في الإسلام از ڈاکٹر محمد سلام مذکور، مجلّة العربي، عدد 177 میں شائع شدہ مقالہ

9 صحيح البخاري: كِتَابُ الطِّبِّ (بَابُ الكِهَانَةِ)، رقم 5758

10 سنن أبو داود، كتاب الديات، باب دية الجنين، رقم 4580

11 صحيح مسلم: كِتَابُ الْقَسَامَةِ وَالْمُحَارِبِينَ وَالْقِصَاصِ وَالدِّيَاتِ (بَابُ دِيَةِ الْجَنِينِ، وَوُجُوبِ الدِّيَةِ فِي قَتْلِ الْخَطَإِ...)، رقم 4390

12 مصنف عبد الرزاق: رقم 18360

13 مصنف عبد الرزاق: رقم 18361

14 مصنف عبد الرزاق: رقم 18362

15 مصنف عبد الرزاق: رقم 18010

16 مزید تفصیل کے لئے دیکھیں: فتح الكريم بأحكام الحامل والجنين از عادل بن یوسف عزازی: ص 91 تا 95

17 الموسوعة الفقهية الكويتية : 2/60، طبع دوم 1989ء

18 لسان العرب: 13/92

19 فتح الباری از حافظ ابن حجر: 12/247، دار المعرفۃ، بیروت، 1379ھ

20 شرح مشکل الآثار از امام طحاوی: 5/174، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت 1415ھ، وصحح محققہ شعیب ارناؤوط۔ اور التمہید از ابن عبد البر: 3/148

21 صحيح بخاری: كِتَابُ بَدْءِ الخَلْقِ (بَابُ ذِكْرِ المَلاَئِكَةِ): رقم 3208

22 صحیح مسلم: كِتَابُ الْقَدرِ (بَابُ كَيْفِيَّةِ خَلْقِ الْآدَمِيِّ فِي بَطْنِ أُمِّهِ وَكِتَابَةِ رِزْقِهِ وَأَجَلِهِ وَعَمَلِهِ وَشَقَاوَتِهِ وَسَعَادَتِهِ)، رقم 4783

23 مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ: 4/241، طریق الہجرتین از ابن قیم: 143 تا 154 اور فتح الباری 11/493

24 جامع العلوم والحکم از ابن رجب: ص 47، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، طبع ہفتم، 1422ھ

25 المنہاج شرح صحیح مسلم بن حجاج از امام یحییٰ بن شرف نووی: 16/190، داراحیاء التراث العربی، بیروت، طبع دوم 1392ھ

26 تحفۃ المودود باحکام المولود از حافظ محمد بن ابو بکر بن قیم: ص150، مکتبہ دارالبیان، دمشق، طبع اول 1391ھ اور التبیان فی اقسام القرآن: ص213

27 نوادر الأصول فی احادیث الرسول از حکیم ترمذی: 1/ 267، دارالجبل، بیروت اور ابن ابی حاتم.... عن ابن مسعود

28 الدر المنثور از امام عبد الرحمن بن ابو بکر سیوطی، 6/10، دارالفکر، بیروت، رواہ ابن ابی حاتم وصححہ، عن عبد اللہ بن عباس۔ مزید دیکھیں تفسیر ابن کثیر زیر آیتِ مذکور

29 احکام الاجہاض فی الفقہ الاسلامی از ابراہیم بن محمد قاسم: ص55، مجلۃ الحکمۃ، طبع اول 1423ھ

30 رسالہ العقل والروح از امام ابن تیمیہ: ص36، دارالہجرۃ، دمشق 1408ھ

31 فتح الباری: 8/253

32 سورۃ بنی اسرائیل: 44

33 صحيح البخاري :كِتَابُ الدِّيَاتِ (بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى)، رقم 6878

34 بدائع الصنائع از کاسانی: 7/ 177، المبسوط از سرخسی: 42/276، بدایۃ المجتہد از ابن رشد: 2/396، المغنی لابن قدامہ: 7/645

35 بدایۃ المجتہد از ابن رشد: 2/396، عقوبۃ الاعدام از ڈاکٹر محمد غامدی: 178

36 المغنی از ابن قدامہ: 8/601

37 تکملۃ البحر الرائق از محمد بن حسین طوری حنفی: 8/233

38 جواہر الاکلیل شرح مختصر خلیل از ازہری: 1/117

39 درس اربعین نوویہ از شیخ محمد بن صالح العثیمین: جمعرات 28/3/1416ھ

40 الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی: 2 / 267، ناشر: عیسٰی حلبی حاشیۃ الرھونی علی شرح الزرقانی 3 / 264، طبع 1306ھ

البحر الرائق: 8/ 233، مکتبہ علمیہ، اول حاشیۃ ابن عابدین: 1/ 5،602/ 378، طبع 1272 ھ

بحوالہ الموسوعة الفقهية الكويتية: زیر مادہ إجهاض

41 الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ: 2/57، حاشیہ ابن عابدین: 3/185، المحلی از ابن حزم: 11/31، الفروع از ابن مفلح: 1/281 بحوالہ احکام الاجہاض: ص154

42 ہیئۃ کبار العلماء، سعودی عرب: فتاویٰ نمبر 17576 اور 9453، 140

43 الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ: 2/57، تنظیم النسل از ڈاکٹر عبداللہ منظور طریقی: 230

44 الاشباہ والنظائر از سیوطی: 228

45 المستصفیٰ از غزالی: 2/381

46 قواعد الاحکام: 1/74 مزید تفصیل کے لئے دیکھیں: احکام الاجہاض: ص157 تا 167

47 «إِمَّا لَا فَاذْهَبِي حَتَّى تَلِدِي» (صحیح مسلم: 4432)

48 تحفۃ الحبیب:3/303،حاشیۃ الشروانی:6/248،نہایۃ المحتاج:8/416

49 الانصاف،1/386المغنی 7/816

50 الشرح الکبیر بحاشیۃ الدسوقی: 2/266اور بدایۃ المجتہد:2/453

51 حاشیہ ابن عابدین:2/380

52 حاشیہ الدسوقی:2/266،نہایۃ المحتاج:8/416

53 فتح القدیر:2/495،حاشیہ ابن عابدین:2/380

54 حاشیۃ الرہونی علی شرح الزرقانی:3/264

55 تحفۃ الحبیب:3/303،حاشیۃ الشروانی:6/248،نہایۃ المحتاج:8/416

56 ہیئۃ کبار العلماء، سعودی عرب: فتویٰ نمبر17576 مؤرخہ 19 محرم 1416ھ